

جواد خواجہ، جج:

میں نے فاضل چیف جسٹس صاحب کے فیصلے سے استفادہ کیا ہے۔ مجھے ان کے فیصلے سے اتفاق ہے۔ یہ مختصر نوٹ موجودہ حالات میں توہین عدالت سے متعلق ایک غور طلب نکتے کی وضاحت کے لئے رقم کر رہا ہوں۔

2۔ میرے پیش نظر وہ تفریق ہے جو توہین عدالت کی دو مختلف اقسام میں پائی جاتی ہے۔ پہلی قسم توہین عدالت کی وہ ہے جس میں کوئی شخص ”حکم عدولی“ کا مرتکب ہو۔ دوسری قسم وہ ہے، جس میں کوئی شخص عدالت کی ”تضحیک“ یا استہزاء کا مرتکب ہو۔ ان دو اقسام میں تفریق کرنا پاکستان سمیت تمام کامن لاء (Common Law) ممالک میں مسلم ہے۔ اس تفریق کو ہمارے آئین میں بھی نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ آرٹیکل 204 کی ذیلی شق 2 (الف) اس عدالت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ ”ہر اُس شخص کو سزا دے جو عدالت کی کارروائی میں رخنہ انداز ہوا یا جس نے کسی بھی اور طریقے سے عدالت کے کسی حکم کی حکم عدولی کی“۔ دوسری طرف ذیلی شق 2 (ب) ایک ایسے شخص کی سزا متعین کرتی ہے ”جس نے عدالت کو نشانہء تضحیک بنایا یا کسی بھی اور طریقے سے عدالت یا عدالت کے کسی جج کو عداوت، استہزاء یا اہانت کا نشانہ بنایا“ ان دو اقسام کی توہین عدالت کے مابین تفریق مضبوط قانونی بنیادوں پر مبنی ہے۔ فاضل

اٹارنی جنرل جو بارہا عدالت کو دست کشی و درگزر (judicial restraint) کی تلقین کرتے رہے، شاید اس تفریق کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ موجودہ حالات میں عدالت سے اس نوعیت کی استدعا کیوں انتہائی بے معنی اور بے محل ہے، یہ بات بھی اسی وقت سمجھ آتی ہے جب ہم توہین عدالت کی دو اقسام کے باہمی فرق کو صحیح طرح سمجھیں۔

3۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گذشتہ ایام میں اس عدالت کے سامنے جو مقدمات نمایاں نظر آئے ہیں، ان میں سے اکثر مقدمے حکم عدولی کے ہیں نہ کہ تضحیک کے۔ عدالت کے ریکارڈ سے حاصل کئے گئے اعداد و شمار کے مطابق سال 2009 میں عدالت میں توہین عدالت کے 131 مقدمات دائر کئے گئے۔ ان تمام مقدموں میں شکایت یہ تھی کہ عدالت کے کسی حکم کی حکم عدولی ہوئی۔ کسی مقدمہ کا تعلق عدالت یا اس کے کسی جج کی تضحیک سے نہ تھا۔ سال 2010 میں توہین عدالت میں دائر کئے گئے کل 130 مقدموں میں سے 129 مقدمے حکم عدولی کے تھے اور صرف ایک کا تعلق تضحیک سے تھا۔ سال 2011 میں 110 مقدمات میں سے صرف ایک کا تعلق تضحیک سے تھا۔ اس سال اگرچہ بعض درخواست گزاروں نے چند افراد کے خلاف تضحیک کے مقدمات کھولنے کی درخواستیں دائر کی ہیں، صرف تین مقدمات ایسے ہیں جن میں عدالت نے از خود نوٹس لیا ہے۔ باقی تمام مقدمات متفرق سائلان نے دائر کئے ہیں اور ابھی زیر سماعت ہیں۔ گذشتہ ایام میں سنا جانے والا توہین

عدالت کا اہم ترین فیصلہ، یعنی سید یوسف رضا گیلانی بنام اسسٹنٹ رجسٹرار، سپریم کورٹ آف پاکستان 2012 (SCMR 424) کا تعلق بھی حکم عدولی سے متعلق تھا۔

4۔ اب ہم توہین عدالت کی اس قسم یعنی حکم عدولی کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر یہاں اس کے تاریخی ارتقاء پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اور اس بات کا جائزہ بھی لیتے ہیں کہ ہمارے آئین میں اس معاملے پر اس قدر سختی کیوں ہے۔

#### توہین بسبب حکم عدولی: تاریخی ارتقاء اور آئینی اہمیت

حکم عدولی پر توہین عدالت کی سزا اس وقت لاگو ہونا شروع ہوئی جب عدالتوں نے صحیح معنوں میں قانون کی حکمرانی کا دفاع کرنا شروع کیا اور اپنے احکام کی تعمیل پر اصرار کیا۔ یعنی توہین عدالت بسبب حکم عدولی دراصل عدالتی احکام کی تعمیل کروانے کا ایک وسیلہ ہے۔ اس قانون کی بنیاد اب آئین پاکستان پر رکھ دی گئی ہے۔ مگر اس کے تاریخی ارتقاء پر نظر ڈالنا آج بھی سود مند ہے۔ یہ تاریخی پس منظر قانون توہین عدالت اور اس کے اہداف کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

5۔ قرون وسطیٰ میں انگلستان میں کامن لاء (Common Law)

کی عدالتیں بہت محدود دادرسی دینے کی مجاز تھیں۔ سائلان کی متنوع اور روز افزوں درخواستوں اور دشواریوں کے مد نظر انگلستان میں ایک متبادل عدالتی نظام بھی آہستہ آہستہ ظہور پذیر ہوا۔ یہ متبادل عدالتی نظام جو بعد میں equity کے نام سے معروف ہوا، کامن لاء سے بعض اہم لحاظ سے مختلف تھا۔ مثلاً، ایکوٹی کی عدالتوں سے جاری کئے گئے احکام بالواسطہ جائداد سے نہیں بلکہ افراد کے خلاف (in personam) صادر کئے جاتے تھے۔ یعنی یہ احکام محض قانونی استحقاق کے بیان پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کو انفرادی طور پر مخاطب کرتے تھے۔ اور اسی لئے اگر وہ افراد احکام کی حکم عدولی کرتے تو انھیں قید کی سزا دی جاتی تا آنکہ وہ تعمیل بجالاتے۔ عدالتی احکام کی تعمیل کا یہ طریق کار بعد میں پھیلتا پھیلتا قانون کے مختلف حصوں کا جزو بن گیا۔ ہمارے موجودہ قانون میں ضابطہ دیوانی میں اب بھی موجود ہے کہ عدالتی حکم کے خلاف ورزی پر حکم عدولی کے مرتکب کو جیل بھیجا جا سکتا ہے۔ یہی تصور ہمارے آئین اور قانون میں بھی پایا جاتا ہے۔ اوپر بیان کئے گئے اعداد و شمار کی روشنی میں یہ پتا چلتا ہے کہ آج بھی توہین عدالت کے زیادہ تر مقدمات اسی قسم کے ہیں جہاں مقصود عدالت اور اس کے جج صاحبان کے وقار کا تحفظ نہیں بلکہ ان کے احکام کی تعمیل ہے۔ یہ کچھ اچنبھے کی بات نہیں، کیونکہ آئینی طور پر پاکستان کا ہر فرد اور تمام حکام آئین اور قانون کے اتباع کے پابند ہیں۔ اس سے پہلے ایک فیصلے میں عدالت نے اس ازلی حکمت کا حوالہ دیتے ہوئے جو سید قوم خادمہم (قوم کے سرداران کے خادم

ہوتے ہیں) میں بیان ہوئی ہے، یہ قرار دیا تھا کہ ”ہمارا آئین اسی اصول کا مجسم ہے، کیونکہ وہ ملک کے اعلیٰ ترین انتظامی عہدہ دار پر [آئین اور قانون پر عمل درآمد کی ذمہ داری ڈالتا ہے۔۔۔ اس ذمہ داری سے پہلو تہی عوام اور عدالتوں کے لئے یکساں تشویش کا باعث ہونی چاہئیے۔“ اسی فیصلے میں عدالت نے حضور سرور کائنات ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کو دہرایا جس میں مدبرانہ نظام حکومت کے اہم ترین اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”اما بعد، فانما اهلك الناس قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد“ (صحیح بخاری)

(آزاد ترجمہ) ”اے لوگو! تم سے پہلے جو قومیں تباہ ہوئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کوئی بااثر (”شریف“) چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے لیکن جب کمزور (”ضعیف“) چوری کرتا تو اس پر قانونی سزا لاگو کی جاتی۔“

6۔ حقیقت یہ ہے کہ جن ممالک میں قانون کی حکمرانی قائم ہے وہاں نہ صرف حکم عدولی کرنے والوں کے خلاف توہین عدالت کا قانون موجود ہے

بلکہ بارہا اس کا اطلاق بھی کیا جاتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق میں کئی ایسی طاقتور ہستیوں کے نام ملتے ہیں جنہیں عدالتوں نے حکم عدولی پر توہینِ عدالت کی سزا سنائی۔ پروفیسر رونا لڈ گولڈ فارڈ نے اپنے مقالے [”تاریخ قانون توہینِ عدالت“] میں دو ایسے قصے انتہائی دلچسپ انداز میں بیان کئے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے انگلستان کا یہ قصہ ملاحظہ ہو:

”شیکسپیر کے ڈرامے ہنری چہارم (باب دوم، ایکٹ ۵، سین ۲) اور کیمبل کی کتاب ’انگلستان کے چیف جسٹس صاحبان کے سوانح‘ دونوں میں اس واقع کا ذکر ملتا ہے کہ ایک دفعہ شہزادہ ہیل [Hal]، جو بعد میں ہنری پنجم کے نام سے تخت نشین ہوا، قانون توہینِ عدالت کی زد میں آ گیا۔ جب ہیل ابھی پرنس آف ویلز تھا، تو اس کا ایک ملازم کسی بڑے جرم کے شبہ میں گرفتار ہوا۔ جب شہزادے کے ملازم کو شاہی عدالت میں طلب کیا گیا تو شہزادہ شدید غصے کی حالت میں خود عدالت پہنچ گیا اور اس نے عدالت سے مطالبہ کیا کہ اس کے نوکر کو فوراً رہا کیا جائے۔ چیف جسٹس گیسکوائن (Gascoigne) نے بڑی خوش اسلوبی سے مگر بغیر کوئی لچک دکھائے شہزادے کو یہ بتا دیا کہ ”عالی جاہ، آپ کی عزت سر آنکھوں پر مگر ملک کے قانون پر بہر حال عمل درآمد ہو گا۔ ہاں، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ملازم کو سزا سنائے جانے کے بعد معاف کر دیا جائے تو اسے اس سلسلے میں اپنے والد سے معافی کی درخواست کرنے کے مجاز ہیں۔ مگر عدالت سے امتیازی مراعات کی امید

وابستہ کرنا مناسب نہیں۔“ اس پر شہزادے نے یہ کوشش کی کہ اپنے ملازم کو بزور بازو بازیاں کرا لے تو گیسکوائٹن نے اسے تمیز کے دائرے میں رہنے کی تنبیہ کی۔ شہزادے کو مزید غصہ آیا (بعض روایات کے مطابق اس نے جج صاحب کو زرد و کوب بھی کیا) تو جج صاحب نے اسے یہ یاد دہانی کرائی کہ انھیں خود بادشاہ نے انصاف قائم رکھنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ بادشاہ سے شہزادے کی وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عدالت کا احترام کرے اور لوگوں کے لئے اچھی مثال بنے۔ مگر جب حیل نے اس نصیحت کی بھی کوئی پرواہ نہ کی تو اسے تو پین عدالت کی سزا سنائی گئی اور تاحکم ثانی جیل بھیج دیا گیا۔ شہر میں یہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ جج صاحب کی مدت منصبی کا آخری وقت آ گیا ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ جب بادشاہ کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے جشن منایا اور اس بات پر شکر کا اظہار کیا کہ اسے ایک ایسے جج کی خدمات نصیب ہیں جس نے انصاف کا بول بالا کرتے ہوئے شہزادے کو بھی نہیں بخشا اور یہ بھی کہ اسے ایک ایسا شہزادہ نصیب ہوا جس نے (اگرچہ کچھ تا مل سے مگر بالآخر) جج صاحب کے حکم کی تعمیل کی۔“

اسی واقعے کا فصیح و بلیغ بیان شیکسپیر کے ڈرامے ہنری پنجم میں بھی ملتا ہے۔

7۔ پروفیسر گولڈ فارڈ نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شروع کے دنوں سے ایک اور دلچسپ مثال بھی دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ میجر جنرل اینڈریو

جیکسن جو بعد میں امریکہ کا صدر بنا ، ایک دفعہ حکم عدولی کا مرتکب ہوا۔ 1814 میں ایک صحافی لوئس لویلیئر (Louis Louaillier) نے دوران جنگ جیکسن کے طرز عمل پر کڑی تنقید کی۔ جیکسن نے غصے میں آ کر صحافی کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ لویلیئر نے ڈسٹرکٹ عدالت کے جج ہال کے روبرو جس بے جا کی درخواست دائر کی اور جج ہال نے اسے رہا کر دیا۔ لویلیئر کی رہائی کی خبر سن کر جیکسن کو مزید غصہ آیا اور اس نے جج ہال کو بھی گرفتار کر لیا۔ اس بار جج ہال کی بازیابی کے لئے یو ایس اٹارنی ڈک نے جس بے جا کی درخواست دائر کی جسے قبول کر لیا گیا۔ جیکسن نے ڈک کا بھی وہی حشر کیا جو لویلیئر اور جج ہال کا کیا تھا۔ بعد میں سیاسی اور عدالتی منظر نامہ کچھ بدلا اور تینوں قیدی رہا ہو گئے تو ڈک نے جج ہال کی عدالت میں جیکسن پر توہین عدالت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اب جبکہ زور دست بازو کا سہارا ممکن ہی نہ تھا تو جیکسن نے توہین عدالت کی سزا سے فرار کی خاطر بعض انتہائی دلچسپ آئینی دلائل پیش کئے۔ مثلاً اس نے یہ استدعا کی کہ توہین عدالت کا قانون اسے اپنے آئینی اختیارات کے استعمال سے نہیں روک سکتا۔ اور یہ کہ اس نے جو بھی کیا، انہی آئینی ذمہ داریوں کو کما حقہ نبھانے کی نیت سے کیا۔ مگر عدالت نے یہ دلائل رد کرتے ہوئے اسے توہین عدالت کی سزا سنائی اور ایک ہزار ڈالر کا جرمانہ بھی کیا۔ اس رسوائی کا احساس اسے ساری عمر رہا، اس وقت بھی جب وہ امریکہ کا صدر بن گیا۔



8۔ ان تاریخی واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے توہین عدالت کے قانون کا کردار انتہائی اہم ہے۔ بات یہ ہے کہ قانون کی بالادستی بغیر جدوجہد اور قربانیوں کے قائم نہیں ہوتی۔ اور ہمیں بھی اس جدوجہد کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ تاریخی تناظر میں یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ پاکستان میں آئین کی حکمرانی کی خاطر شروع ہونے والی ایک عوامی جدوجہد جس کا آغاز ”آزاد عدلیہ“ کے دفاع سے ہوا تھا کیوں ایک ایسے موڑ پر آ پہنچی ہے جہاں اس کا محور توہین عدالت کے بعض اہم مقدمات بن گئے ہیں۔ بعض لوگوں کے لئے یہ صورت احوال باعث تشویش ہے۔ مگر تاریخ کا اشارہ کچھ اور ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شاید یہ مرحلہ ناگزیر تھا۔ قانون کی حکمرانی پر مبنی حکومت میں عدالتوں کا شیوہ یہی ہوتا ہے کہ وہ بلا خوف و خطر فیصلے دیتی ہیں۔ اور جب وہ فیصلہ سنا دیتی ہیں تو حکومت وقت ان کی تعمیل کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ یہی امر آئین کی حکمرانی کا مظہر ہے۔ اگر حکام ایسا نہ کرتے دکھائی دیں تو پھر کیا ہوگا؟ یہی وہ پریشان کن بنیادی سوال ہے جس کا ہم اس ملک میں بار بار سامنا کر رہے ہیں۔

9۔ ایک گزشتہ فیصلے میں ہم نے اس صورت حال پر آئینی رد عمل کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ یہ رد عمل کیا ہوگا، اس کا جواب آرٹیکل 184(3)، 187، 190، 204 اور بعض صورتوں میں (g) (1) 63 میں ملتا ہے۔ آئین میں جو نظام وضع کیا گیا ہے وہ مختصراً یوں ہے کہ عدالت آئین اور

قانون کے مطابق احکامات صادر کرتی ہے۔ ان حکامات کے اطلاق کی ذمہ داری ریاست کے دیگر اعضاء، بالخصوص انتظامیہ کو سونپی گئی ہے۔ لیکن اگر بد قسمتی سے انتظامیہ کا کوئی اہل کار اپنی یہ ذمہ داری نبھانے سے منکر ہو جائے تو پھر عدالت کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے توہین عدالت کی سزا دے۔ مناسب تو یہی ہے کہ اس اختیار کی ضرورت پیش ہی نہ آنے پائے۔ اور اگر کبھی کسی سے اس جرم کا ارتکاب ہو بھی جائے تو جب اس پر اپنی غلطی عیاں ہو جائے تو خود ہی اپنی اس غلطی کا ازالہ کرے۔ اُن ممالک میں جہاں آئین کی حکمرانی کا دور دورہ ہے یہ صورت حال شاذ و نادر ہی کبھی پیدا ہوتی ہوگی۔

10۔ مگر قوموں کی تاریخ کے ان ادوار میں جب کار حکمرانی میں آئینی بالادستی کو دل سے تسلیم نہ کیا گیا ہو، اس اختیار کو با معنی بنانے کے لئے بعض اوقات اس کا براہ راست استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں عدالتوں کا فرض ہے کہ وہ بلا خوف و خطر اپنی کٹھن ذمہ داری نبھائیں۔ اور حکم عدولی کے مرتکب کو آئین کے مطابق سزاوارٹھہرائیں تاکہ عوام کے بنائے ہوئے آئین کی بالادستی قائم ہو۔

11۔ فاضل اٹارنی جنرل نے بار بار استدعا کی کہ عدالت دست کشی اور در گزر judicial restraint کا مظاہرہ کرے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بعض نظیروں اور مقالوں کا حوالہ بھی دیا۔ ہم نے بار بار ان سے یہ درخواست

کی کہ ہمارے سامنے کوئی ایسی نظیر پیش کریں جس میں عدالت نے حکم عدولی کے باوجود judicial restraint کا مظاہرہ کیا ہو، کیونکہ ان کے پیش کردہ تمام نظائر تضحیک کے مقدمات سے متعلق تھے۔ وہ اور عدالت کے روبرو پیش ہونے والے دیگر فاضل وکلاء بھی کوئی ایسی نظیر پیش نہ کر سکے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ وہ تمام نظائر جن میں judicial restraint کے فوائد بیان کئے گئے ہیں تضحیک کے مقدمات سے متعلق ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک حکم عدولی کے مقدمات کا تعلق ہے، ان میں عدالتیں کسی restraint کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔ کیونکہ ایسے مقدمات میں عدالت اور اس کے ججوں کی انانیت کو ذرا برابر بھی دخل نہیں ہوتا، بلکہ بات صرف قانون کی حکمرانی کی ہوتی ہے۔

12۔ فاضل اٹارنی جنرل نے بہت شد و مد کے ساتھ لارڈ ڈیننگ کے فیصلہ پر انحصار کیا لیکن توہینِ عدالت کی مذکورہ بالا دو اقسام میں امتیاز کئے بغیر۔ برطانوی جج، لارڈ ڈیننگ کا R v. Metropolitan Police Commissioner میں مشہور فیصلہ، جس میں انھوں نے عدالتوں کو restraint کا مشورہ دیا ہے، وہ بھی تضحیک کے ایک مقدمے میں سنایا گیا تھا نہ کہ حکم عدولی کے مقدمے میں۔ لارڈ ڈیننگ نے اپنے مذکورہ بالا فیصلے میں کہا: ”واضح کرتا چلوں کہ ہم (توہینِ عدالت کی سزا دینے کے) اس اختیار کو کبھی بھی اپنے ذاتی وقار کے دفاع کی

خاطر استعمال نہیں کریں گے۔ ہمارے وقار کو ایسی بیساکھیوں کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ ہی ہم اس اختیار کو اپنے ناقدین کے خلاف استعمال کریں گے۔ تنقید سے نہ ہم ڈرتے ہیں نہ وہ ہم پر گراں گزرتی ہے۔ کیونکہ یہاں معاملہ ایک ایسی قدر کا ہے جو ہمیں عزیز ہے، اور جس کا لحاظ ہمیں رکھنا ہے۔ وہ ہے آزادی رائے۔“

13۔ ہمیں لارڈ ڈینگ کے اس قول سے اتفاق ہے۔ اس عدالت نے سید مسرور احسن بنام ارد شیر کاوس جی (PLD 1998 SC 823) میں اس فیصلے کا حوالہ بھی دیا اور توہین عدالت بسبب تضحیک کی بابت بعض اصول بھی بیان کئے۔ اس فیصلے میں عدالت نے لارڈ ڈینگ کے فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے یہ قرار دیا تھا ”کہ پاکستانی قوم کو رواداری اور طریق مخالف کے نکتہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ۔۔۔ ہم اسلامی سماجی اور سیاسی انصاف کو فروغ دیں۔۔۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم عدلیہ سمیت اپنے اداروں کا احترام نہ کریں۔“ ماسوائے ان ناقدین کے جن کے طرز عمل سے بدینتی جھلکتی ہے، اس عدالت کو ناقدین ناگوار نہیں مگر ہم وہی الفاظ دہرانا چاہتے ہیں جو لارڈ ڈینگ نے کہے اور وہ یہ ہیں: ”یاد رکھیں

کہ ہم اپنی منصبی روایات کے پیش نظر ناقدین کی تنقید کا جواب نہیں دے سکتے۔ کسی سیاسی کشمکش کا حصہ بننا تو درکنار، ہم تو براہ راست کسی عوامی بحث میں بھی شریک نہیں ہو سکتے۔“

14۔ جیسا کہ فاضل چیف جسٹس کے فیصلے میں واضح کیا گیا ہے، توہین عدالت ایکٹ 2012 ایک خاص طبقے کو، جو قانوناً عدالتی احکام کی تعمیل کا پابند ہے، توہین عدالت سے استثناء دیتا ہے۔ اس اضافی نوٹ میں کی گئی بحث کے پیش نظر، اس استثنائی طرز عمل میں مضمحل خطرات اور بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عدالت نے اس ایکٹ کو کالعدم قرار دیا ہے۔